

## اردو افسانے میں اقتصادی مسائل کی پیش کش۔۔۔ ایک جائزہ

### Presentation of Economic issues in Urdu Short Stories....A view

ڈاکٹر عابد سلیم

Assistant Professor of Urdu, Government Graduate College Patoki.

### Abstract

The Urdu Short Story writing was dominated by the romantic views in the beginning. The romantic fiction appeals the aesthetic sense of the reader but it's beyond reality. The credit of bringing the Urdu Short Story writing to realism goes to Prem Chand. The Progressive Writers' Movement made the financial problems of the masses as a theme of their fiction. The Progressive Writers have written extensively on issues like poverty, lower way of life, social division and criminal mindedness. The prominent fiction writers of the Progressive Writers' Movement are Sajjad Zaheer, Ahmad Ali, Rasheed Jehan, Mahmood ul Zafar, Akhtar Hussain Raipuri, Krishn Chandra, Saadat Hassan Manto, Aziz Ahmad, Ahmad Nadeem Qasmi, Shaukat Siddiqui and Rajendra Singh Bedi. The modern day fiction also effectively represents the financial problems of the society. Dr Rasheed Amjad, Dr Nasir Abbas Nayyar, Asghar Nadeem Syed, Asad Mohammed Khan, Mirza Athar Baig, Mohammed Asim Butt, Mubeen Mirza, Tahira Iqbal, Amjad Tufail and Sami Ahuja have artistically made social and financial issues of today's human as part of literature through their fiction.

### Keywords:

Financial problems, Urdu short story, Progressive Writers' Movement, Social division, poverty, criminal mindedness

اردو کے افسانوی ادب کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ افسانہ نگاری کے ابتدائی دور میں اردو افسانے پر رومانوی خیالات اور افکار کا غلبہ رہا۔ ڈاکٹر مسعود رضا خاکی کے مطابق علامہ راشد الخیری کے افسانے ”خدیجہ اور نصیر“ کو اردو کا پہلا افسانہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہ افسانہ بنیادی طور پر ایک خط کی صورت میں ہے جو ایک بہن دل

گرفتگی کے عالم میں اپنے بھائی کو لکھ کر اس کے دل میں خون رشتوں کی اہمیت کا احساس اجاگر کرتی ہے۔ یہ افسانہ ”مخزن“ میں ۱۹۰۳ء میں شائع ہوا تھا۔ پریم چند کا ”روٹھی رانی“ اور ”دنیا کا سب سے انمول رتن“ ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئے۔ اردو افسانے میں رومانوی رجحانات کو فروغ دینے میں سجاد حیدر ریلدرم سرفہرست ہیں۔ انہوں نے ترکی افسانے سے اخذ و استفادہ کر کے اردو افسانہ نگاری کو مضبوط رومانوی بنیاد فراہم کی۔ اس دور کے دیگر رومانوی افسانہ نگاروں میں نیاز فتح پوری، مجنوں گور کھپوری، سلطان حیدر جوش، ل۔ احمد، ساغر نظامی اور چوہدری محمد علی رودولوی قابل ذکر ہیں۔ ان افسانہ نگاروں نے اپنے افسانوں میں حقیقی دنیا کی بجائے تخیلاتی دنیا کی تصویر کشی کی ہے۔ یہ ایسی دنیا ہے جہاں معاشرتی اور سماجی مسائل کا گزر نہیں بلکہ یہ رنگ و نور کی ایسی کائنات ہے جہاں قدرتی حسن کاریوں کے ساتھ ساتھ محبوب کے لب و رخسار اور گیسوئے عنبر بار فضا کو معطر کئے ہوئے ہیں۔ اس تخیلاتی دنیا میں وجدانی حسن ہے اور جمالیاتی تسکین کے لیے ہر سوفطرت کی سحر کاریاں دکھائی دیتی ہیں۔ اس تخیلاتی کائنات کا یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ یہ حقیقت کا سامنا نہیں کر پاتی اس لیے رومانوی افسانہ اپنے قاری کے ذوقِ جمال کی تسکین تو کرتا ہے مگر اسے حقیقت سے بہت دور لے جاتا ہے۔ اردو افسانے کو حقیقت آشنا کرنے والوں میں سب سے بڑا نام پریم چند کا ہے۔

پریم چند نے اپنے افسانوں میں جہاں ”سوزِ وطن“ کی صورت میں حب الوطنی کے جذبے کو پروان چڑھایا وہاں ہندوستان کے مسائل اور لوگوں کی معاشرتی حالت کو بھی بھرپور انداز میں اپنی کہانیوں کا موضوع بنایا۔ انہوں نے دیہات میں رہنے والے ہندوؤں خصوصاً گسانوں اور مزدوروں کی روزمرہ زندگی کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ غریب عوام کا سماجی، مذہبی اور معاشی استحصال پریم چند جیسے حساس ادیب کے لیے کسی صورت قابل قبول نہ تھا۔ انہوں نے خود غربت میں زندگی بسر کی تھی اس لیے ہندوستان کے غریب طبقے سے انہیں خصوصی ہمدردی ہے اور وہ ان کے دکھ کو حقیقی سطح پر محسوس کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ پریم چند نے اپنے افسانوں میں نچلے طبقے کی بھرپور عکاسی کی۔ اس سلسلے میں ”کفن“، ”سوا سیر گیہوں“، ”پچھتاوا“، ”بے غرض محسن“، ”مشعل ہدایت“ اور ”انصاف کی پولیس“ قابل ذکر افسانے ہیں۔ ان تمام افسانوں میں پریم چند نے ہندوستان میں موجود طبقاتی کشمکش کو موضوع بنایا ہے۔ دولت کی بنیاد پر وجود میں آنے والے ان طبقوں میں زمیندار اور کسان، سرمایہ دار اور مزدور، مہاجن اور مفلس عوام کے درمیان آویزش کو حقیقی انداز میں کہانی کا حصہ بنایا گیا ہے۔ اپنی معیشت میں مضبوطی کے لیے بالادست طبقہ کمزور طبقے پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ دیتا ہے۔ مہاجن کے روپ میں پریم چند نے ہندوستان میں موجود دولت مند طبقے کی اس ذہنیت کی عکاسی کی ہے جس کے تحت وہ ضرورت مند غریب عوام کو سود در سود کے ایسے چکر میں پھنسائے ہوئے ہیں کہ کئی کئی نسلوں کی غلامی کے بعد بھی مہاجن کی اصل رقم ادا نہیں

ہو پاتی۔ ”سواسیر گیہوں“ کا شکر بھی ایسا ہی ایک کردار ہے جو گھر آئے مہاجری کی خدمت کے لیے ایک پروہت کے گھر سے سواسیر گیہوں لے آتا ہے اور پھر ان سواسیر گیہوں کا قرض وہ تمام عمر نہیں چکا پاتا۔

”حساب لگایا تو گیہوں کی قیمت ساٹھ روپیہ بنی۔ ساٹھ کا دستاویز لکھا گیا۔ تین روپیہ سیکرہ سود۔ سال بھر میں نہ دینے پر سود کی شرح ساڑھے تین روپے سیکرہ۔ آٹھ آنے کا اسٹامپ، ایک روپیہ دستاویز کی تحریر شکر کو علیحدہ دینی پڑی۔۔۔۔۔ غلامی سمجھ، چاہے مجبوری سمجھ۔ میں اپنے روپے بھرائے بنا تمہیں نہ چھوڑوں گا۔ تم بھاگو گے تو تمہارا لڑکا۔ ہاں جب کوئی نہ رہے گا تب کی بات دوسری ہے۔“ (۱)

پریم چند کے تمام افسانوں میں طبقاتی شعور بہت نمایاں ہے۔ انہوں نے ہندوستان کے غریب اور نادار لوگوں کے مالی مسائل اور معاشی خستہ حالی کو ہی اپنا موضوع نہیں بنایا بلکہ وہ ان اسباب کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں جن نے عوام کی غربت میں کبھی کمی نہیں آنے دی۔ ان میں ساہوکاری نظام سرفہرست ہے۔ پس ماندہ طبقے کے لوگوں سے پریم چند کو خاص لگاؤ ہے۔ ان کے آخری دور کے افسانوں میں اشتراکی فکر بہت حاوی ہے۔ مارکس اور لینن کے خیالات نے مزدوروں اور کسانوں کو معاشرے کا ہیر و بنا کر پیش کیا تھا مگر پریم چند کے افسانوں میں ترقی پسند تحریک سے وابستگی سے پیش تر ہی مزدور اور کسان اپنے تمام تر دکھوں اور مصائب کے ساتھ جلوہ گر نظر آتے ہیں۔

۱۹۳۲ء میں شائع ہونے والا افسانوی مجموعہ ”انگارے“ ہندوستان میں ترقی پسند تحریک کے تحت فروغ پانے والی اشتراکیت کی پہلی آواز تھا۔ ان افسانوں میں جبر کے خلاف آواز بلند کی گئی۔ مذہب بے زاری کے عناصر بھی ان افسانوں میں موجود تھے جن کا نتیجہ یہ نکلا کہ اتر پردیش کی حکومت نے انڈین پینل کوڈ کے تحت اس مجموعے کو ضبط کر لیا اور یہی ضابطگی ان افسانوں کی شہرت کا باعث بنی ورنہ ناقدین کے بقول فنی حوالے سے یہ بہت کمزور افسانے ہیں۔ ان کے لکھنے والوں میں سجاد ظہیر، احمد علی، رشید جہاں اور محمود الظفر شامل تھے۔ ”انگارے“ کے مصنفین مارکس کے خیالات سے بہت زیادہ متاثر تھے اس لیے ان کے ہاں کمیونزم سے وابستگی بہت واضح ہے۔ یہ اشتراکیت سے لگاؤ ہی کی بدولت تھا کہ اردو افسانہ معاشی استحصال اور طبقاتی تفاوت کو اپنا موضوع بنا رہا تھا۔ ڈاکٹر احسن فاروقی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

”انگارے گروپ میں رشید جہاں اور سجاد ظہیر بطور خاص کمیونزم سے وابستہ تھے۔ یہ مارکس کے نظریے سے متاثر تھے۔ اب افسانوں میں طبقاتی کشمکش پر زور دیا جانے لگا۔ زمیندار اور کسان، سرمایہ دار اور مزدور کی کشمکش پر توجہ دی گئی۔ اشتراکی اقدار کو سراہنے اور قدیم اقدار کو گھٹانے میں مبالغہ کیا گیا۔ مالداروں کی غریبوں پر زیادتیاں دکھائی گئیں اور یہ تبلیغ کی گئی کہ اشتراکیت ان کو ختم کر دے گی۔“ (۲)



کرشن چندر رومانوی طرز فکر کے حامل افسانہ نگار ہیں۔ ترقی پسند تحریک سے وابستگی کے بعد ان کے افسانوں میں سماجی مسائل اور انسان کی معاشی مشکلات کا تذکرہ بہت جاندار انداز میں دکھائی دیتا ہے۔ کرشن چندر کی عظمت ان کے رومانوی اسلوب میں پوشیدہ ہے۔ وہ اپنے اس مخصوص رومانوی اسلوب میں جب سماجی استحصال اور معاشی مسائل کو اپنے افسانوں کا موضوع بناتے ہیں تو قاری پر سحر طاری ہو جاتا ہے۔ ”کالو بھنگی“، ”گرجن کی ایک شام“، ”بالکونی“، ”برہم پتر“ اور ”ان داتا“ ایسے افسانے ہیں جن میں کرشن چندر کی رومانویت کے پس منظر میں انسان کی معاشی صورت حال بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ ”ان داتا“ کرشن چندر کا ایک طویل افسانہ ہے جو تین حصوں ”وہ آدمی جس کے ضمیر میں کانٹا ہے“، ”وہ آدمی جو مر چکا ہے“ اور ”وہ آدمی جو ابھی زندہ ہے“ پر مشتمل ہے۔ اس افسانے میں انہوں نے ہندوستان کی اقتصادی صورت حال، غربت، افلاس، لوگوں کی معاشی مشکلات اور طبقاتی تفاوت کو بھرپور طنزیہ انداز میں پیش کیا ہے۔ سعادت حسن منٹو نے اپنے افسانوں میں جہاں انسان کی نفسیاتی اور جنسی الجھنوں کا تذکرہ کیا ہے وہاں معاشی مشکلات اور مالی پریشانیوں کے نفسیاتی اثرات کو بھی فنی چابکدستی سے کہانی کا حصہ بنایا ہے۔ اس کے افسانوں میں نظر آنے والی طوائف کا ایک بڑا مسئلہ معاش سے متعلق ہے۔ ”ہتک“ کی سوگندھی اگر دس روپے میں اپنا جسم بیچنے پر مجبور ہے تو اس کی ایک وجہ مالی آسودگی کا حصول بھی ہے۔ اسی طرح ”نعرہ“ کا کیشو لال بھی غربت کی وجہ سے اپنی کھولی کا کرایہ ادا کرنے سے قاصر ہے۔ منٹو نے کمال مہارت سے کیشو لال کی نفسیاتی عکاسی کی ہے جو گالی سننے کے بعد ایک عجیب اضطرابی کیفیت سے گزر رہا ہے۔ انسان کے معاشی مسائل کی پیش کش میں منٹو نے اس کی نفسیاتی حالت کے بیان کو شامل کر کے فنی مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی ”نعرہ“ میں معاشی اقدار کی پیش کش کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

”منٹو سیاسی معاملات کے ساتھ ساتھ معاشی اقدار کی ناہمواری کے باعث پیدا ہونے والی الجھنوں اور پریشانیوں کو بھی

شدت سے محسوس کرتا ہے۔ بہت سے افسانوں میں اس کی طرف اشارے ہیں مگر ”نعرہ“ میں اس نے اس صورت

حال کو بڑی خوبی سے پیش کیا ہے۔“ (۵)

منٹو نے اپنے افسانوں میں طبقاتی تقسیم پر بھی بھرپور تنقید کی ہے۔ منٹو کا کہنا ہے کہ کسی انسان کے ادنیٰ اور اعلیٰ ہونے کا دار و مدار کسی بھی طرح دولت پر نہیں ہو سکتا اور انسان تو کسی بھی صورت میں ادنیٰ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس سلسلے میں ان کا افسانہ ”انقلابی“ خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں انہوں نے سماجی مسائل کے ساتھ ساتھ معاشرے میں دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کی وجہ سے وجود میں آنے والے طبقاتی نظام کو ہدف تنقید بنایا ہے۔

”میں انہیں غریبوں کے ننگے بچے دکھلا دکھلا کر یہ پوچھتا ہوں کہ اس بڑھتی ہوئی غربت کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟“  
 ----- کیا یہی انسانیت ہے کہ میں کارخانے کا مالک ہوتے ہوئے ہر شب ایک نئی راقصہ کا ناچ دیکھوں اور  
 میرے مزدوروں کو ایک وقت کی روٹی نصیب نہ ہو۔ ان کے بچے مٹی کے ایک کھلونے کے لیے ترسیں۔“ (۶)

راجندر سنگھ بیدی نے انسان کے معاشرتی اور معاشی مسائل کو اپنے مخصوص رومان انگیز اسلوب کے ذریعے اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ بیدی مارکس کے ساتھ ساتھ فرائڈ کے تصورات سے بھی متاثر تھے جس کے اثرات ان کے افسانوں میں بہت واضح ہیں۔ ”گرم کوٹ“، ”گرہن“، ”دوسرا کنارہ“، ”گھر میں بازار میں“، ”بہل“، ”غلامی“، ”لاروے“، ”بھولا“، ”رحمان کے جوتے“ اور ”انگو“ راجندر سنگھ بیدی کے ایسے افسانے ہیں جن میں انسان کے معاشی، معاشرتی، نفسیاتی، جنسی اور رومانوی پہلوؤں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ خواجہ احمد عباس کے ہاں سیاسی اور انقلابی رنگ غالب ہے جبکہ عصمت چغتائی نے ایک گٹھن زدہ معاشرے میں عورتوں کے جنسی اور جذباتی مسائل کو بڑے مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ عصمت کے ہاں عورتوں کے ان مسائل کی بنیادی وجہ مخصوص سماجی حالات اور معاشی پریشانیوں ہیں۔ عصمت چغتائی نے اپنے افسانے ”دو ہاتھ“ میں محنت کش طبقے کی بھرپور حمایت کی ہے۔ اس کے علاوہ ان کے افسانوں ”خدمت گار“، ”مکافر“، ”جڑیں“، اور چوتھی کا جوڑا“ میں بھی ہندوستانیوں کے معاشی معاملات کو کسی نہ کسی انداز میں زیر بحث لایا گیا ہے۔ دیوند ریتار تھی کے ہاں بھی کسانوں، مزدوروں اور ہندوستان کے پس ماندہ طبقے کی بھرپور تصویر کشی ملتی ہے۔ بنگال کے کسانوں کی معاشی مشکلات کے حوالے سے ان کے افسانے ”نئے دھان سے پہلے“، ”قبروں کے بچوں بیچ“، اور ”پھر وہی کنج نفس“ خاصی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کے علاوہ ”لال دھرتی“ اور ”یہ آدمی یہ بیل“ میں بھی افلاس زدہ انسانوں کی معاشی ابتری کی جان دار تصویریں ملتی ہیں۔ ترقی پسند تحریک کے تحت لکھنے والوں میں عزیز احمد کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ وہ اپنے مخصوص اشتراکی فلسفے کی وجہ سے ترقی پسند مصنفین میں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ عزیز احمد کے ناولوں کی طرح ان کے افسانوں میں بھی اشتراکی نقطہ نظر کارفرما ہے۔ اس حوالے سے ”مدن سینا اور صدیاں“، ”سستا پیسہ“ اور ”زر خرید“ قابل ذکر افسانے ہیں۔ شوکت صدیقی نے ناولوں کی طرح اپنے افسانوں میں بھی جرم کی دنیا کو بے نقاب کیا ہے۔ پاکستانی معاشرے میں غریب طبقے کا سماجی اور معاشی استحصال شوکت صدیقی کی فلشن کا بنیادی موضوع ہے۔ معاشرے میں موجود طبقاتی تقسیم کے مضر اثرات ان کے ہاں بہت نمایاں ہیں۔ سرمایہ دار اور مزدور، جاگیر دار اور کسان کے مابین طبقاتی کشاکش کا حقیقت پسندانہ اظہار شوکت صدیقی کے افسانوں ”جھیلوں کی سرزمین پر“، ”مہکتی وادیوں“، ”راتوں کا شہر“، ”خداداد کالونی“، ”بھگوان داس درکھان“، ”خفیہ ہاتھ“ اور ”تیسرا آدمی“ میں بھرپور انداز میں ہوا ہے۔ متوسط طبقے کے

ساتھ ساتھ وہ نچلے طبقے کے معاشی مسائل اور سماجی استحصال کو بھی اپنے افسانوں کا موضوع بناتے ہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر انوار احمد لکھتے ہیں۔

”وہ (شوکت صدیقی) ہماری اجتماعی زندگی کا بے رحم مفسر، مبصر اور ناقد ہے۔ اس نے جہاں نچلے طبقات پر ڈھائے جانے والے مظالم کی کہانی لکھی ہے وہاں متوسط طبقے سے ابھرنے والی ترقی پسند قیادت کے تضادات کو بھی نمایاں کیا ہے۔“ (۷)

شوکت صدیقی کا افسانہ ”جھیلوں کی سرزمین پر“ بنگال کے کسانوں کی اقتصادی زبوں حالی کا عکاس ہے۔ نام نہاد قحط سے بچنے کے لیے سرکار کسانوں پر ٹیکس عائد کر دیتی ہے۔ اس ٹیکس کی منطق بڑی عجیب ہے کہ دھان کاشت کرنے والے کسانوں سے حکومت گیہوں مانگتی ہے جس کے نتیجے میں دھان کی قیمت انتہائی گر جاتی ہے اور گیہوں کی قیمت آسمان سے باتیں کرنے لگتی ہے۔ اس صورت حال پر تمام کسان پریشان حال ہیں مگر ایک سرمایہ دار رام دھیرج خوش ہے کیونکہ وہ کسانوں سے دھان انتہائی سستے داموں خرید رہا ہے۔ اصل میں دھان کی قیمت گرا کر گیہوں کی قیمت چڑھانے میں اسی سرمایہ دار طبقے کا ہاتھ ہے وہ نسل در نسل غریب کسانوں کا سماجی اور معاشی استحصال کر رہے ہیں۔

”گیہوں کا بھاؤ اور چڑھ گیا۔ بازار میں گیہوں کم تھا۔۔۔ بیس روپے کے بجائے اب من بھر گیہوں کے لیے ستائیس روپے دینا ہوں گے۔۔۔ کچھ کسان ابھی تک سوچ رہے تھے کہ اتنا مہنگا گیہوں کیسے خریدا جاسکتا ہے۔ سرکار ہم سے کیوں مانگتی ہے۔ بازار میں اتنا مہنگا گیہوں بیچنے والوں سے کیوں نہیں خریدا لیا جاتا؟“ (۸)

احمد ندیم قاسمی اردو افسانہ نگاری کی تاریخ میں پنجاب کی دیہی معاشرت کی پیش کش کے حوالے سے ایک اہم نام ہے۔ قاسمی پریم چند کی فکری روایت کو آگے بڑھانے والے افسانہ نگاروں میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں مفلس و نادار کسانوں اور مزدوروں کی معاشی اور معاشرتی زندگی کے شاندار مرقعے پیش کئے ہیں۔ افلاس زدہ کسانوں پر جاگیرداروں کا ظلم و ستم دیہی معاشرت کا لازمی جزو سمجھا جاتا ہے مگر قاسمی صاحب نے اس سماجی استحصال کے خلاف بھرپور انداز میں لکھا ہے۔ طبقاتی تقسیم احمد ندیم قاسمی کے نزدیک کسی بھی سماج کے لیے زہر قاتل ہے جس کی وہ اپنی کہانیوں میں مذمت کرتے رہتے ہیں۔ ”موچی“، ”غیرت مندیٹا“، ”کنگلے“، ”جلسہ“، ”چوری“، ”مہنگائی الاؤنس“، ”الحمد للہ“ اور ”قرض“ ایسے افسانے ہیں جن میں احمد ندیم قاسمی نے معاشرے میں موجود معاشی نا انصافی اور طبقاتی تقسیم کو موضوع بنایا ہے۔

ن۔ م راشد نے غلام عباس کو عام آدمی کا افسانہ نگار کہا ہے تو اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ غلام عباس نے اپنے افسانوں میں روزمرہ زندگی کے مسائل عام آدمی کی نظر سے بیان کئے ہیں۔ ان کے افسانوں کے موضوعات عموماً ایسے ہی ہوتے ہیں کہ سامنے کی چیز ہو مگر کوئی اس پر توجہ نہ دے مگر جب اس سامنے کی چیز پر غلام عباس قلم اٹھاتا ہے تو اسے خاصے کی چیز بنا دیتا ہے۔ ”اور کوٹ“ میں غلام عباس نے جہاں ایک نوجوان کے کردار کے ذریعے انسان کے ظاہر و باطن کے تضاد کو پیش کیا ہے وہاں اس کی معاشی حالت بھی کسی سے چھپی نہیں رہتی۔ ”کتبہ“ میں شریف حسین کی صورت میں ہر انسان کی ناآسودہ خواہشات کی کہانی کے ساتھ ساتھ عام آدمی کی معاشی پریشانیاں اور مالی مشکلات پر غالب آنے کی تگ و دو بھی نظر آتی ہے۔ ”بحران“ میں دکھایا گیا ہے کہ ایک شریف آدمی کو مکان بنانے میں کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ”بہر ویا“ میں بھی ایک عام انسان کی وہ کاوشیں موضوع بنی ہیں جو وہ زندگی میں آسودگی کے حصول کے لیے کرتا ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ غلام عباس نے اپنے افسانوں میں عام آدمی کے سماجی مسائل کے ساتھ ساتھ اس کی معاشی خستہ حالی کو بھرپور انداز میں اپنا موضوع بنایا ہے۔ قدرت اللہ شہاب، اشفاق احمد، بانو قدسیہ اور ممتاز مفتی کے افسانوں میں اگرچہ غالب رجحان تصوف اور نفسیاتی حقیقت نگاری کا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ ان تمام بڑے افسانہ نگاروں نے اپنی تخلیقات میں انسان کے معاشی اور معاشرتی مسائل کے بیان سے بھی پہلو تہی نہیں کی ہے۔ اس سلسلے میں قدرت اللہ شہاب کے افسانے ”غریب خانہ“، ”پہلی تنخواہ“ اور ”سٹینو گرافر“، اشفاق احمد کا ”آڑھت منڈی“، بانو قدسیہ کا ”سنہری فصل“ اور ممتاز مفتی کا ”لکھ پتی“ قابل ذکر ہیں۔ عبداللہ حسین نے اپنے دونوں افسانوی مجموعوں ”نشیب“ اور ”فریب“ میں انسان کے معاشرتی مسائل کے ساتھ ساتھ سیاسی اور معاشی صورت حال کو بھی موضوع بنایا ہے۔ محمد حسن عسکری، رام لعل، جوگندر پال، سریندر پرکاش، بلراج مین راء، بلونت سنگھ، انتظار حسین، قرۃ العین حیدر کے افسانوں میں بھی سماجی استحصال اور معاشی پس ماندگی کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔ اس سلسلے میں سریندر پرکاش کا ”بجو کا“ اہم افسانہ ہے۔ حاجرہ مسرور اور خدیجہ مستور کے ہاں بھی عورت کے مسائل کی پیش کش میں اقتصادی زبوں حالی کا تذکرہ ملتا ہے۔ حاجرہ مسرور کا افسانہ ”چراغ کی لو“ طبقاتی تقسیم کو ”اچھن“ نامی لڑکی کے ذریعے بڑی خوب صورتی سے اپنا موضوع بناتا ہے۔ فسادات کے موضوع پر لکھے جانے والے افسانوں میں بھی مہاجرین کے معاشی مسائل کی جھلک ضرور ملتی ہے۔

دور جدید میں افسانہ نگاروں نے نئی ادبی تحریکوں کے اثرات قبول کرتے ہوئے اردو افسانے میں نئے تجربات کئے جن کی بدولت اردو افسانہ نگاری میں نئے رجحانات نے جنم لیا۔ ان میں سے کچھ تجربات کو تو اردو افسانے میں فروغ عام حاصل ہوا مگر اکثر نئے تجربات افسانے کو گنجلک اور پیچیدہ بنانے کی حد سے آگے نہ بڑھ سکے۔ علامتی اور تجریدی



افسانہ لکھنے والوں نے جہاں اردو افسانے سے کہانی پن کو ختم کیا وہاں ان کے افسانے ادب کے عام قاری کی سمجھ سے بالاتر ہو گئے۔ اردو افسانے کے ان نئے رجحانات پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر فردوس انور قاضی لکھتی ہیں:

”موجودہ افسانے میں جو واضح رجحان ملتا ہے وہ لایعنیت سے ملتا جلتا ہے۔ دوسرا رجحان جو جدید افسانہ نگاروں کے ہاں کم و بیش پایا جاتا ہے وہ تکنیکی انفرادیت پر زور ہے۔ ان کے یہاں افسانہ تکنیک بنتا جا رہا ہے۔ بجائے اس کے تکنیک افسانہ بنتی جائے۔ تیسرا رجحان دروں بنی کا ہے جس کا ہدف شعوری یا شعوری طور پر خود افسانہ نگاری کی ذات ہے جس کا مطالعہ معاشرے سے الگ کر کے بہت اہتمام کیا جاتا ہے۔ چوتھا رجحان جنسی اور نفسیاتی الجھنوں کو ملا کر ایک بہت الجھا ہوا افسانہ لکھنے کا ہے جس کی عبارت یا مفہوم خود ان الجھنوں سے زیادہ الجھی ہوئی ہے۔“ (۹)

ان رجحانات کے بعد اردو افسانے میں جدیدیت، مابعد جدیدیت، ساختیات، پس ساختیات، نوآدیات اور مابعد نوآدیات جیسے رجحانات نے فروغ پایا۔ ان تمام رجحانات کے تحت لکھے گئے افسانوں میں انسان کے معاشرتی اور معاشی مسائل بہر حال کسی نہ کسی صورت میں موجود ہیں۔ دور جدید کے افسانہ نگاروں میں ڈاکٹر رشید امجد، ڈاکٹر ناصر عباس نیئر، اصغر ندیم سید، اسد محمد خان، مرزا اطہر بیگ، مرزا حامد بیگ، محمد حمید شاہد، سپورن سنگھ گلزار، محمد عاصم بٹ، مبین مرزا، طاہرہ اقبال، امجد طفیل اور سمیع آہو جا کے علاوہ دیگر بہت سے ادیب شامل ہیں جنہوں نے اپنے افسانوں کے ذریعے دور جدید کے انسان کے معاشرتی اور معاشی مسائل کو فکری اور فنی پختگی کے ساتھ ادب کا حصہ بنایا ہے۔

## References:

1. Preme Chand, “*Sawa Saeer Gehoon*” Inc: “*Kuliyat E Praem Chand*”, Murataba: Sheema Majeed, Lahore: Book Talk, 2009, Pg 599, 603
2. Muhammad Ahsan Farooqi, Dr, “*Urdu Afsanay Kay Rujhannaat*”, Inc: Seep, Vol 33, Karachi, 1976, Pg 87.
3. Ahmed Ali, “*Muhavatoon Ki aik Raat*”, Inc: *Urdu Afsana Aur Afsana Nigar*, Dr Farman Fateh Poori, Lahore: Alwaqar Publications, 2000, Pg 124-125.
4. Saleem Agha Qazalbash, “*Jadeed Urdu Afsany ky Rujhannat*”, Unpublished Thesis for Ph.D (Urdu), Lahore: Punjab University, 1995, Pg 140

5. Ebadat Baralvi, *“Mantoo Ki Haqeeqat Nigar”*, Incl: “Saadat Hassan Mantoo, Muratabeen: Mubeen Mirza, Dr. Raoof Paeekh, Islamabad: Muqtadra Qaumi Zubaan, Islamabad, 2011, Pg 215
- 6- Saadat Hassan Mantoo, *“Mantoo Kay Afsana”*, Lahore: Maktaba Urdu, 1941, Pg 190
7. Anwar Ahmed, Dr. *“Urdu Afsana Aik Sadi Ka Qisa”*, Multan: Kitab Nagar, 2017, Pg 217
8. Shaukat Siddiqui, “Jheeloon Ki Sarzameen Par”, Taraqi Pasand Afsanay, Murataba: Dr Syed Miraj Nayyer , Lahore: Alwaqar Publications, 2006, Pg 434-435
9. Firdaus Anwar Qazi, Dr. “Urdu Afsana Nigari Kay Rujhannat”, Lahore: Maktaba E Aliya, 1999, Pg 545.